مہرِ ماہ

عقیلہ حق

آج عید کا دن تھا۔ ابھی، ابھی سب عید گاہ سے واپس آئے تھے، وہ چند لمحے تک ڈرائنگ روم کے باہر کھڑی گلاس ڈور سے اندر کا منظر دیکھ رہی تھی...... کچھ مرد انجانے بھی بیٹھے تھے...... وہ شش و پنج میں تھی اندر جائے یا نہیں......

پھر سب کے چہروں سے اس کی نظر پھسلتی ہوئی ان۔ کاغذوں پر جا ٹھہری جنہیں باہمی رضامندی سے بھرا جا رہا تھا۔ اسے ایک لمحے کے لیے اپنی سانس رکتی

ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

کیسا لمحہ ہوتا ہے......زندگی آر یا پار......چند لمحوں میں حقدار بدل جاتے ہیں لیکن حقدار بدلنے سے پہلے اسے کچھ کہنا تھا، اس کی گرفت دروازے کے ہینڈل پر سخت ہوگئی پھر اس نے آہستگی سے دروازہ کھول کر کمرے کے اندر قدم رکھ دیا۔ سب بے حد محو تھے۔ کسی کو اس کے آنے کی خبر تک نہیں ہوئی۔

''میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

☆☆☆

''ویسے میری سمجھ میں ایک بات نہیں آرہی۔''

''ایک بات؟ ارے میرے بھائی تمہاری سمجھ میں کبھی کوئی بات آئی بھی ہے۔ اور سمجھ میں آئے بھی کیسے......سمجھ میں آنے کے لیے بھیجا ہونا چاہیے اور ماشاء اللہ تمہارا تو دماغ اوپر ہی رہ گیا اور تم نیچے چلے آئے۔''

''ایکسکیوزمی......میڈم یہ آپ نے بھائی کس کو کہا......'' رضا نے مسلسل بولتی ندا کو ٹوکا۔

''محلے والوں کو، ارے تم کو کہا ہے اور کس کو......'' علی نے فلور کشن گھسیٹ کر سر کے نیچے رکھتے ہوئے مزہ لیتے ہوئے، آنکھ دبا کر کہا۔

''مجھ کو......'' اس نے سینے کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے درد بھرے لہجے میں ندا کو دیکھتے ہوئے علی سے پوچھا۔

''ہاں تجھ کو میرے بھائی تجھ کو اور اگر تجھ کو دل کا دورہ پڑ رہا ہے تو پلیز ڈیلے کردے کیونکہ آج کل شادیوں کا سیزن ہے ورنہ تیرے جنازے میں آج سارے مرد سوٹ اور لڑکیاں ماتھے پر بندیا سجائے، غرارے پہن کر گھوم رہی ہوں گی۔''

''بھاڑ میں جاؤ تم دونوں۔'' ندا جو ایک طرف بیٹھی بیڈ شیٹ کو پنیں لگا کر پلاسٹک میں پیک کر رہی تھی جل کر سارا کام ادھورا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی اور پیچھے رضا اور علی کا قہقہہ اس کا دور تک پیچھا کرتا رہا۔

☆☆☆

''ماشاء اللہ دلہن تم نے تو بہت تیاری کر رکھی تھی، واہ بھائی واہ......'' تائی اماں نے ٹرنک سے جوڑے نکالتی سلمٰی بیگم سے توصیفی انداز میں کہا۔

''جی بھابی جان، ہماری اماں کہا کرتی تھیں بیٹی کے پیدا ہوتے ہی اس کی رخصتی کی تیاری شروع کردو......اب حسن تو مجھ سے ہمیشہ کہتے تھے کہ بھئی ایک ہی تو میری بیٹی ہے کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی بس جب اس کی شادی کا وقت آئے گا آپ لسٹ بنا کر دے دینا میں خرید لاؤں گا......لیکن میں بس سن لیتی تھی، ہم چھ بہنیں تھیں اور ہماری شادیوں پر ہمارے ابا کو صرف بارات کا کھانا یا فرنیچر کا انتظام کرنا پڑا۔ تار، تار ہماری اماں اللہ ان کو کروٹ، کروٹ جنت نصیب کرے نے گھر سے نکالا تھا۔'' سلمٰی بیگم نے جیٹھانی اور دوسری گھر کی عورتوں کو بتایا۔

سلمٰی بیگم اور حسن مرزا کی ایک ہی تو بیٹی تھی نتاشا......نتاشا کی آج رخصتی تھی، بس کہتے ہیں ناں بیٹی کی بارات اور مہمان کی آمد کسی وقت بھی ہوسکتی ہے، صرف چار دن پہلے حسن مرزا کے دوست ان کے گھر آئے، برسوں سے وہ کینیڈا میں مقیم تھے، ان کا ایک ہی بیٹا تھا ڈاکٹر حیدر......حیدر کینیڈا میں ایک معروف اور بے حد مصروف ہارٹ سرجن تھا۔ ان کی فیملی بس ملنے آئی تھی، وہ رمضان کا ستائیسواں روزہ تھا۔ اور عید کے دوسرے دن ان کی واپسی تھی انہیں نتاشا اس قدر پسند آئی کہ وہ افطار ڈنر نتاشا کی منگنی میں تبدیل ہوگیا اور جواد صاحب مع فیملی اس وقت تک نہ اٹھے جب تک دو دن بعد انہیں نکاح کی تاریخ نہیں دے دی گئی۔ کوئی بہانہ، کوئی حیلہ کام نہیں آیا۔ سلمٰی بیگم اور حسن مرزا جوائنٹ فیملی سسٹم سے جڑے تھے سو اسی وقت سارے لوگ جمع ہوگئے اور یوں انکار کی کوئی گنجائش نہیں بچی۔

☆☆☆

محبت کدہ......اختیار مرزا کا محبت کدہ تھا، ہزار گز کے وسیع رقبے پر پھیلے اس خوب صورت گھر کے چار حصے تھے، اختیار مرزا کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔

بڑے بیٹے عباد مرزا اور ان کی بیگم خدیجہ تھیں، ان

ے تین ہی بیٹے تھے۔ رضا...... جو ایم بی اے کرنے کے بعد ایک پرائیویٹ کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔

جواد...... جو ڈاؤ میڈیکل سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد آج کل ہاؤس جاب میں مصروف تھا اور سعد...... وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے UK میں تھا۔

منجھلے بیٹے سجاد مرزا کی دو بیٹیاں ندا، جویریہ اور ایک بیٹا ذیشان تھا۔ ندا کراچی یونیورسٹی کی طالبہ تھی، جویریہ کالج جاتی تھی اور ذیشان سی اے کر رہا تھا۔

سب سے چھوٹے حسن مرزا اور سلمٰی بیگم کی بس ایک ہی بیٹی تھی نتاشا، جس نے اسی سال بی ایس سی کیا تھا۔ اختیار مرزا کی دونوں بیٹیاں، بھائیوں سے چھوٹی تھیں۔ فرحت خاتون اور مسرت خاتون کو کہ دونوں کی شادیاں ہم پلہ خاندانوں میں ہوئی تھیں لیکن پھر بھی اختیار مرزا نے گھر کے برابر میں ایک پانچ سو گز کا پلاٹ لے کر دونوں بیٹیوں کو بنوا کر دے دیا تھا۔ فرحت خاتون کی چار بیٹیاں تھیں، مسرت خاتون کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ یوں اختیار مرزا ایک درخت کی طرح اپنی ساری شاخوں کو سنبھالے ہوئے تھے۔ چند سال پہلے ہی یکے بعد دیگرے ان کا اور ان کی بیگم کا انتقال ہوا تھا...... اب گھر کے بڑے عباد مرزا تھے، ان کے فیصلے کی وہی حیثیت تھی جو اختیار مرزا کے فیصلوں کی تھی۔ سارا گھرانا بہت محبت اور اتفاق سے رہتا تھا، لوگ اس گھرانے کے اتفاق اور محبت کی مثالیں دیتے تھے۔

یہ اتفاق اور محبت ہی تو تھا کہ حسن مرزا اگرچہ بیٹی کی شادی چار دن میں کرنے کو تیار نہیں تھے لیکن بڑے بھائی اور بھابی نے سمجھایا کہ اچھے رشتے سے انکار کرنا بری بات ہوتی ہے اور بیٹی کی شادی کے اسباب اللہ خود پیدا کرتا ہے۔ یوں نتاشا جو کل موبائل فون سے سیلفیاں لے رہی تھی مایوں بٹھادی گئی...... لیکن سلمٰی بیگم کی تیاریاں دیکھ کر تو سارا خاندان ششدر رہ گیا، چار دن تو بڑی بات انہوں نے تو اس طرح بیٹی کا جہیز جمع کر رکھا تھا کہ چار گھنٹوں میں بھی عزت سے بیٹی کو بیاہ دیتیں۔

واقعی ایک سگھڑ عورت سارے خاندان کی آن ہوتی ہے سلمٰی بیگم نے ثابت کر دیا تھا۔

☆☆☆

”پتا ہے کتنی دیر ہوگئی تم لوگوں کو، سب بڑے ناراض ہو رہے تھے۔“ نتاشا نے نمرہ سے کہا جو پارلر سے بالوں کو آئرن کروانے کے باوجود بار، بار بالوں میں کنگھی برش کر رہی تھی۔

”یار تم ہی سوچو عین شب قدر میں تمہاری منگنی ہوئی، تمہاری منگنی نہ ہوئی پاکستان کی آزادی ہوگئی۔ پھر تم تو مزے سے ایک کونے میں جا بیٹھیں اور ہم نہ تو روزے چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی تیاری۔“ نمرہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر ایک بار پھر اپنے لمبے بالوں میں برش پھیرا۔

”اور درد بھری کہانی یہ ہے کہ یہ لڑکے تو جا کر ہینگروں میں کب سے لٹکے سوٹ اور شیروانیاں خرید لیں گے لیکن ہم لوگ ...... اُف ہم لوگ ہم کیا کریں، میرے ٹیلر نے تو عید کا جوڑا نہیں سیا...... وہ نتاشا کی بارات کا سوٹ اللہ کرے وقت پر دے دے......“ ندا کا لہجہ ایسا پریشان تھا کہ نتاشا بے ساختہ ہنس دی۔

”ہنسو، ہنسو...... خوب ہنسو پھر اپنے ڈاکٹر صاحب کو ہماری کہانیاں سنانا۔“ عمیرہ، ندا کے ہنسنے پر جل ہی تو گئی۔

”ارے بھئی نتاشا کو طعنے کیوں مارے جا رہے ہیں، تم اپنے ڈاکٹر صاحب کو سنا دو، میں تو تمہارے لیے ہنسنے کو بھی تیار ہوں اور رونے کو بھی۔“ جواد نے بالکل وحید مراد کی طرح عمیرہ کی پشت پر سے گردن نکال کر کہا۔

”یہ تم لوگ کہاں سے ٹپک پڑے۔“ عمیرہ نے نک سک سے تیار لڑکوں کو دیکھ کر کلستے ہوئے کہا...... آج وہ لوگ حیدر سے ملنے اور اس کا سامان لے کر جا رہے تھے...... انہیں روزہ وہیں افطار کرنا تھا......

”اور مسٹر نئے، نئے ڈاکٹر صاحب جتنا آپ سال بھر میں نہیں کماتے اتنا ایک درزی صرف رمضان میں کماتا ہے، آئی بات سمجھ میں۔“ عمیرہ نے جل کر جواد کے بخیے اُدھیڑ دیے۔

''سوچ لو ایک دن تمہیں اس ڈاکٹر کے پاس آنا ہوگا۔'' ذیشان نے جواد کا پسینہ پونچھتے ہوئے اسے سہارا دیا۔

''اللہ نہ کرے...... اور تم تو ذیشان دفع ہی ہو جاؤ، میری سمجھ میں نہیں آتا تم نے سی اے کیسے کرلیا۔ یقیناً تم وہی ہو، جن کی مارکس شیٹ چیک ہونے کے بعد جعلی نکلتی ہے۔''

''بھئی چلو دیر ہو رہی ہے...... ندا کہاں ہو تم، مجھ سے گاڑی کا گیئر نہیں بدلا جا رہا۔'' رضا نے کمرے میں داخل ہو کر، اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے بے قراری سے پوچھا۔

''افسوس رضا بھائی آپ کو دیر ہوگئی، ندا کافی دیر پہلے آپ کے ابا جان یعنی تایا ابا کے ساتھ جا چکی ہے اور اگر اب بھی آپ کی گاڑی کا گیئر نہیں بدلے تو آپ پلیز رکشے میں چلے جائیں......'' نتاشا نے پہلے کرن لگے دوپٹے سے سر کو ڈھانپتے ہوئے کشن کو واپس کاؤچ پر رکھتے ہوئے پریشان کھڑے رضا سے کہا۔

''اوہو...... بی مینڈکی کو بھی زکام ہوا......'' رضا نے محبت سے نتاشا کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن میری بہن، گھر میں اِدھر اُدھر سے پتھر آ رہے ہیں خدا کے واسطے ندا کو ان پتھروں سے بچاؤ، جب گھر میں مجھ جیسی اینٹ موجود ہے تو یہ بڑے باہر کے پتھروں کو کیوں منہ لگا رہے ہیں۔'' رضا نے اتنی بیچارگی اور بے بسی سے کہا کہ نتاشا بے ساختہ ہنستی چلی گئی اور پھر رضا بھی ہنس دیا۔

سب لوگ جا چکے تھے اور نتاشا مسکراتے لبوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ سارے گھر کو سمیٹتی پھر رہی تھی......

☆☆☆

''ماشاء اللہ بیگم صاحبہ کو شادی کے لیے آج ہی کا دن ملا تھا۔'' ساری لڑکیوں نے منہ بسورے۔ ''اور وہ حیدر بھائی جب ان سے کہا میرے بھائی اپنے ٹکٹ ذرا آگے کروالو تو پتا ہے کیا جواب دیا محترم نے۔ کہنے لگے......'' ندا نے پھولی ہوئی سانسوں کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔

آج عید تھی......نمازِ عید کے بعد نتاشا کا حیدر کے ساتھ نکاح تھا اور شام میں میریٹ میں اس کی بارات کا ڈنر تھا لیکن وہ تمام لڑکیاں اور بیچارے لڑکے بھی جو خاندان کی پہلی شادی کو بے حد انجوائے کرنا چاہتے تھے، الجھ کر رہ گئے تھے، لڑکے تو پھر بھی ریڈی میڈ لے آئے لیکن لڑکیاں جو شرارے، غرارے پہننے کے خواب دیکھ رہی تھیں سب بیچاریاں منہ لٹکائے پھر رہی تھیں، اوپر سے کسی کو ہیئر اسٹائل بنوانا تھا تو کسی کو میک اپ کروانا تھا اور پارلر رات بھر مہندی رت جگا منا کر بند پڑے ان کا منہ چڑا رہے تھے۔

''میں تو یہ کہہ رہی ہوں مامی جان جب آپ نے نتاشا کا جہیز جمع کیا تو بارات ولیمے میں پہننے کے لیے ہمارے جوڑے کیوں نہ صندوق میں رکھے۔'' نمرہ نے روتی صورت بنا کر الماری میں کچھ ڈھونڈتی سلمٰی بیگم سے کہا تو وہ مسکرا دیں۔

ویسے سلمٰی بیگم بہت کم مسکراتی تھیں لیکن آج کل مسکراہٹ جیسے ان کے چہرے پر چسپاں ہو کر رہ گئی تھی۔ انہوں نے پلٹ کر منہ بسورتی نمرہ اور باقی لڑکیوں کو دیکھا، تو ہنس دیں۔

'' میری بچیوں تم بھی میرے لیے نتاشا جیسی ہی ہو، مجھے اندازہ ہوتا کہ نتاشا کا نصیب محاورتاً نہیں حقیقت میں چار دن میں کھلے گا تو یقین مانو، میں تم لوگوں کے کپڑے بھی تیار رکھتی لیکن بیٹا ماشاء اللہ ایک سے بڑھ کر ایک جوڑا ہے تم لوگوں کے پاس...... کوئی سا بھی پہن لو، ماشاء اللہ سب اچھی لگو گی۔''

''خیر کپڑے تو تم لوگ پہن ہی لو گی لیکن یہ تمہاری شکلوں کا کیا ہوگا؟ ان پر تو رمضانوں کی وجہ سے جو روزہ دار پر رونق آتی ہے، وہ بھی نہیں آئی، خدا کی قسم، مجھے یقین ہے تم لوگ تیار ہو کر بھی پہاڑی بکریاں ہی لگو گی۔'' جواد نے نمرہ کو دیکھتے ہوئے بلکہ دل ہی دل میں اسے سراہتے ہوئے چھیڑا۔ ''کاش نمرہ تم جان سکتیں تم کتنی پیاری ہو۔'' جواد سوچ کر رہ گیا۔

''تم تو خاموش رہو۔ نئے، نئے ڈاکٹر...... اور

یہ تم عید گاہ سے اتنی جلدی کیسے آ گئے، مجھے یقین ہے تم گئے ہی نہیں، بس گلی کے نکڑ سے چکر لگا کر آ گئے ہو۔" نمرہ جل کر بولی۔

"ارے بھئی پتا نہیں تم لوگ کہاں سے کہاں بات لے جاتے ہو، ہاں تو میں بتا رہی تھی۔" ندا نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر نتاشا کی طرف دیکھا۔ "پوچھو گی نہیں کیا، کہا حیدر بھائی نے؟"

"بتاؤ کیا کہہ رہے تھے وہ۔" نتاشا نے شرماتے ہوئے پوچھا۔

"وہ......اوہو...... وہ، کس کے، کون کے...... نتاشا مجھے تم سے لفظ "وہ" کی امید نہیں تھی۔" عمیرہ نے دائیں آنکھ دبا کر ہنستے ہوئے نتاشا کی کمر پر دھپ مارا۔

"ہائے......وہ۔"

"وہ دن کب آئے گا جب کوئی ہم کو بھی وہ کہنے والی آئے گی۔ جب کوئی سرہانے بیٹھ کر کہے گی، جلدی اٹھیے، میں آپ کے بغیر ناشتا نہیں کروں گی۔" ذیشان نے لرزتے ہوئے دیوار کو تھاما اور پھر آنکھوں میں دنیا بھر کا درد بھر کر خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا۔

"دفع ہو تم سب...... میں اب کچھ بول ہی نہیں رہی، خدا کی قسم ایک بات کرنا، دشوار ہو گیا۔" ندا جل ہی تو گئی۔

"خبردار جو کسی نے اب ایک لفظ بھی بولا...... اب جو بولے گا اسے میری لاش پر سے گزرنا ہوگا، ندا کو کوئی اکیلا نہیں سمجھے، میں ہوں ناں...... بولو ندا...... بولو۔" رضا نے علاؤ الدین کی جذباتیت کو بھی پیچھے دھکیل دیا یقیناً اگر فلمی ناقدین اسے دیکھ لیتے تو......اسے نگار ایوارڈ ضرور ملتا......

"تم تو اپنا منہ بند ہی رکھو......" ندا جل کر بولی۔

"تو پتا ہے نتاشا، حیدر بھائی کہنے لگے، میں چاہے نکٹ چار ماہ آگے کروالوں لیکن نتاشا سے شادی ابھی ہی کردوں گا۔ میں نے کہا اور جو ہم نہ کریں......تو کہنے لگے، نہ کریں آپ، میں نتاشا کو اٹھوالوں گا......"

ندا نے ہنستے ہوئے شرماتی، لجاتی نتاشا کو چھیڑا۔

"اوئے مستقبل کے دولہا بھائی نے ایسا کہا۔" جواد چلایا۔

"میرا گھوڑا نکالو، حیدر بھائی نے ہم سب کی غیرت کو للکارا ہے۔" ذیشان باہر کی طرف دوڑا۔

اور نتاشا بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔

☆☆☆

"آج کی عید بھی کتنی خوب صورت عید ہے، واقعی انسان کو نہیں پتا ہوگا اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے......ابھی چند گھنٹوں بعد نکاح اور پھر شام کو رخصتی......"

دل کی اتھل پتھل کچھ سوچنے ہی نہیں دے رہی تھی

"امی تو بالکل اکیلی رہ جائیں گی، بابا تو اس قدر مصروف رہتے ہیں میں انشاء اللہ روز......امی اور بابا کو فون کیا کروں گی......اور......"

"بیٹا چلو شاور لے لو......"، سلمٰی بیگم کی آواز نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا۔

سلمٰی بیگم ہاتھ میں نفیس سے کام والا گلابی رنگ کا سوٹ لیے کھڑی تھیں۔ سلمٰی بیگم کے خاندان میں جب دلہن مایوں کا سوٹ اتار کر شاور لینے جاتی تو اسے گلابی رنگ کا جوڑا پہنایا جاتا جو پھر دلہن نکاح کے بعد بارات کے جوڑے سے بدل لیتی۔

نتاشا کو بے ساختہ اپنی ماں پر پیار آ گیا کہ انہوں نے اس کے لیے کھڑے، کھڑے گلابی سوٹ بھی تیار کروالیا تھا وہ کوئی ارمان کوئی کسر چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں...... وہ بے ساختہ آگے بڑھی اور ماں کے سینے سے لگ کر سسکنے لگی۔

سلمٰی بیگم آہستگی سے اس کی کمر سہلانے لگیں گو کہ آنسوان کا بھی چہرہ گیلا کر رہے تھے، اکلوتی بیٹی کی رخصتی......کوئی مذاق نہیں تھا......

"ارے دلہن تم یہاں کھڑی ہو اور یہ نتاشا بیٹا تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں، بیٹا تیار ہو، نکاح کے پیپرز تیار ہو رہے ہیں، ابھی کچھ دیر میں تمہاری مرضی معلوم کرنے آنے والے ہیں، تمہارے ابا اور تایا وغیرہ۔"

خدیجہ بیگم نے پیچھے سے آکر آہستگی سے سلمٰی بیگم کی کمر تھپتھپائی تو وہ آہستگی سے اس سے علیحدہ ہوگئیں۔

''کیا کہا آپ نے بھابی جان...... نکاح کے پیپرز تیار ہو رہے ہیں۔'' سلمٰی بیگم نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کرتے ہوئے خدیجہ بیگم سے پوچھا...... اور پھر ان کی نظر خاموش بیٹھی نتاشا کے چہرے پر جم سی گئی۔

☆☆☆

''یہ ہوتی ہے شادی جس کے خواب لڑکی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی دیکھنے لگتی ہے، مائیں پیدائش سے لے کر اور رخصتی تک بس ایک ہی جملہ کہتی رہتی ہیں...... پرائے گھر جانا ہے، میاں کے گھر جا کر جو چاہے کرنا، میاں کا گھر اور میاں......''

اس نے بیڈ کے دوسرے کنارے پر تکیے پر سر رکھے اس خوبرو مرد کو دیکھا جو آج اسے بیاہ کر لایا تھا، اور پھر اپنا حق وصول کر کے انتہائی پُرسکون نیند سو رہا تھا۔

دراصل مرد نے عورت کے ساتھ سونا ہی سیکھا ہے، جس دن مرد، عورت کے ساتھ جاگ لیا اس دن وہ عورت کو اور اس کے سارے دکھوں کو سمجھ لے گا...... وہ جو سیج پر بیٹھی اپنی مدح سرائی...... بہت سی محبتوں کا انتظار کر رہی تھی، خالی ہاتھ رہ گئی۔ اس نے کلائی میں پہنے ان کنگنوں کو دیکھا جو بظاہر اس کی منہ دکھائی تھی۔ پہلی، پہلی محبت کا پہلا، پہلا تحفہ تھا لیکن اسے وہ اپنی قیمت لگے۔ اس کی آنکھیں نہ جانے کیوں پانی سے بھر گئیں...... جنہیں وہ خوش اسلوبی سے پی گئی۔ اور یوں نئی زندگی کی ابتدا آنسوؤں کے پینے اور برداشت سے شروع ہوگئی۔

☆☆☆

یہ نہیں تھا کہ زندگی میں کسی نے اس کی طرف قدم نہیں بڑھایا تھا۔ اس کے ساتھ چلنے کی کوشش نہیں کی، اس کے قدموں تلے اپنا دل نہیں رکھا تھا۔ یہ سب ہوا لیکن وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جو اپنے وجود کے ساتھ، ساتھ اپنے دل، جذبات، احساسات حتیٰ کہ الفاظ بھی اس انجانے شخص کے لیے سنبھال کر رکھتی ہیں جو اُن کی زندگی میں اللہ پاک نے لکھ دیا...... جو اُن کا شوہر ہوگا...... وہ اکثر کہتی کہ پاکیزہ مرد کی خواہش کرنے سے پہلے خود پاکیزگی کی سرحدوں پر کھڑے رہو...... یوں سارے ارمان و جذبات لیے...... آج جب وہ سیج پر آ کر بیٹھی تھی تو وہ بہت خوش تھی، یہ رشتہ اس کے ماں باپ کی پسند سے طے ہوا تھا اور وہ اپنے بڑوں کی رضا میں راضی تھی۔

لیکن ہر وقت کتابوں میں گم رہنے والی لڑکی یہ بھول گئی تھی ہر کسی کو پورا آسمان نہیں ملتا......

وہ زندگی سے بھرپور لڑکی تھی...... اس نے صرف محبتیں وصول کی تھیں۔ اسے سرد مہری، غصہ، شکایت اور نفرت جیسے لفظ کا تو پتا ہی نہیں تھا وہ ماں، باپ کی بہت پیاری بیٹی تھی۔ بے حد لاڈلی، بہت زندہ دل...... اور جب اس کا رشتہ ایک بھرے خاندان میں طے ہوا تو وہ بے حد خوش تھی، اسے رشتے ناتے اچھے لگتے تھے۔ لمبے، لمبے دسترخوان پر بیٹھے گھر کے افراد ہنستے مسکراتے چٹکلے چھوڑتے، کھانا کھاتے لوگ اسے اچھے لگتے تھے۔

لیکن اس کے میاں جی ویسے تو بہت با ادب، خوش اخلاق تھے لیکن نہ جانے کیوں اس کے ساتھ ان کا رویہ بہت سرد تھا، کمرے سے باہر اور کمرے کے اندر وہ دو مختلف شخصیتیں رکھتے تھے۔

''بیٹا، شادی کے بعد انا کو اٹھا کر گہرے سمندروں میں پھینک دینا۔ جو عورتیں انا کا طوق گلے میں لٹکائے پھرتی ہیں ان کے گھر نہیں ہوتے، وہ ساری زندگی مکانوں میں رہتی ہیں، تم گھر بنانا...... تاکہ گھر کی چھت کا تم کو احساس ہو اور اچھے گھروں میں ہی اچھی اولادیں پروان چڑھتی ہیں۔

دیکھو بیٹا ہم جب دوسرے گھر جاتے ہیں تو وہاں موجود ہر شخص کی اپنی جگہ اور اپنا مقام ہوتا ہے، نئی آنے والی لڑکی کو اپنی جگہ خود بنانی ہوتی ہے، اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم کہاں بیٹھنا چاہتی ہو، سب کے دلوں میں یا پھر گھر کے کسی کونے میں...... اور کوئی بھی مقام حاصل کرنے کے لیے قربانیاں دینی پڑتی ہیں...... اور

بیٹا جو لڑکیاں دس لوگوں کو بدلنے کی کوشش کرتی ہیں، وہ ہمیشہ ناکام رہتی ہیں۔ سارے گھر کو بدلنے کی کوشش میں ہلکان ہونے کے بجائے تم بدل جانا...... سسرال میں وہی لڑکیاں کامیاب ہوتی ہیں جو بغیر تردد کے اپنے آپ کو سسرال کے ماحول میں ڈھال لیتی ہیں۔'' وہ انہیں بغور سن رہی تھی۔

''ہم نے تمہیں بہت محبت سے پالا ہے۔ تم نے کہا دن تو ہم نے کہا دن، تم نے کہا رات تو ہم نے کہا رات...... لیکن بیٹا یہ تمہارے باپ کا گھر ہے جو چاہے محل ہو یا جھونپڑی۔ ہر باپ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق بیٹی سے محبت کا اظہار کرتا ہے...... تم اس گھر میں بیٹی کے عہدے کے ساتھ پیدا ہوتی تھیں لیکن اب تم جس گھر جا رہی ہو وہاں بیٹی پہلے سے موجود ہے تم بہو ہو، اب تمہیں وہاں کی بیٹی بننا ہے، کیسے بننا ہے اس کا فیصلہ تم خود کرو گی۔

''سسرال کی بات ہمیشہ سسرال میں چھوڑ کر آؤ گی...... جو لڑکیاں ہر بات آکر میکے میں کہتی ہیں وہ کبھی بیٹیاں نہیں بنتیں وہ آخری سانس تک بہو رہتی ہیں اور تم جانتی ہو، بہو پرائی ہوتی ہے...... ہمیشہ اپنی مٹھی بند رکھنا کہ بند مٹھی لاکھ کی اور کھل گئی تو خاک کی۔'' وہ اپنی زندگی کا نچوڑ آج اپنی بیٹی کو دے رہی تھیں۔

''اپنی تکلیفیں، پریشانیاں اور مسائل کو خود حل کرنے کی کوشش کرنا کہ دشمن سنے گا تو خوش ہوگا اور جو دوست سنے گا تو رنجیدہ ہوگا تو کوشش کرنا کہ نہ دشمن کو ہنسنے کا موقع دو اور نہ ہی دوست رنجیدہ ہو...... جب کوئی پریشانی ہو کوئی مسئلہ ہو تو اس سے کہنا جس کے پاس سارے مسئلوں کا حل ہے اور وہ ہے اللہ رب العزت کی ذات...... تمہارا دولہا ساری زندگی ملک سے باہر رہا ہے، یقیناً اس کا مزاج بھی یہاں کے مردوں کے مزاج سے فرق ہوگا بیٹا اس فرق کو تم کیسے ختم کرتی ہو، برداشت کرتی ہو، نظر انداز کرتی ہو، یہ میری اور تمہاری امی کی تربیت کا امتحان ہوگا۔ کیونکہ ساری زندگی کی محنت اور تربیت کے بعد ہم تمہیں امتحان گاہ میں بھیج رہے ہیں، ضروری نہیں کہ پرچہ out of syllabus ہو لیکن پھر بھی تمہاری کامیابی ہماری سند ہوگی۔'' وہ خاموش بیٹھی ماں کی گفتگو صرف سن رہی تھی بلکہ لفظ لفظ جذب کر رہی تھی۔

☆☆☆

علی سامنے کاؤچ پر بیٹھے کوئی ٹاک شو اس قدر منہمک ہو کر دیکھ رہے تھے جیسے اس کمرے میں ٹی وی کے علاوہ کچھ نہیں اور وہ خوب صورت سے کپڑوں اور ہلکے، ہلکے میک اپ میں تیار بیٹھی شام سے علی کا انتظار کر رہی تھی، آنکھیں بند کر کے اپنے ابا کی وہ باتیں یاد کرنے لگی کہ جس دن اس نے مایوں کا پیلا کرن لگا دوپٹا پہنا تھا تو ابا اور اماں اس کے کمرے میں آئے تھے اور پھر ابا نے کپکپاتا ہوا ہاتھ اس کے جھکے ہوئے سر پر رکھ کر اس سے چند باتیں کرنے کی اجازت مانگی تھی۔

☆☆☆

''اوہو...... آج تو آپ بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں...... چلیں مووی دیکھ کر آتے ہیں۔'' علی جیسے ہی گھر آئے اس نے بہت محبت سے ان کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہٹیں، مجھے کوٹ اتارنے دیں۔'' علی نے آہستگی سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔

''نہیں بس کوئی چینج نہیں کر رہا بلکہ دیکھیے اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، آج میں نے بھی بلیک سوٹ پہنا ہے، میں نے امی جان سے بھی پوچھ لیا تھا، وہ کہہ رہی تھیں چلی جانا۔ چائے تیار ہے بس آپ چائے پی لیں پھر چلتے ہیں۔'' اس نے محبت سے علی کے کالر پر ہاتھ کی چاروں انگلیاں پھیرتے ہوئے ایک محبت بھرے استحقاق سے کہا۔

''کیا بچپنا ہے، میں بہت تھکا ہوا ہوں، آپ کو کہیں جانا ہے تو ڈرائیور لے آپ چلی جائیں، پلیز میرے ساتھ یہ بچوں والی حرکتیں مت کیا کریں......'' علی نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔

چھناکے سے اس کا دل کرچی، کرچی ہوا۔ ایک،

ایک ٹکڑا جسم میں کھب گیا لیکن وہ خاموش رہی...... بلکہ کمال فنکاری سے اس نے زخمی مسکراہٹ کو جلد ہی ایک دل آویز مسکراہٹ میں بدل لیا۔

''چلیں کوئی بات نہیں، آپ چینج کرلیں، اچھا آپ سب کے ساتھ چائے پئیں گے یا آپ کی چائے کمرے میں لے آؤں۔'' اس نے کمرے سے نکلتے نکلتے پلٹ کر نرم مگر زخمی لہجے میں علی سے پوچھا۔

''نہیں، میں باہر آرہا ہوں۔ اماں، ابا میرا انتظار کرتے ہیں۔'' علی کہتا ہوا واش روم میں چلا گیا۔

''صرف امی......ابو......'' اس نے اپنے آپ سے پوچھا آنکھ میں آیا آنسو دوپٹے کے پلو سے پونچھا، ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہوکر بالوں میں برش پھیرا لپ اسٹک کا ہلکا سا شیڈ لگایا اور پرفیوم کا اسپرے کرکے کمرے سے باہر نکل گئی کہ وہ جانتی تھی۔ بند مٹھی لاکھ کی اور جو کھل گئی تو خاک کی......

☆☆☆

علی کا رویّہ اس کے ساتھ بہت سرد تھا، کبھی، کبھی وہ علی کو ہنس کر چھیڑتی کہ اگر چار عورتوں کے بیچ میں مجھے کھڑا کردیا جائے تو شاید آپ مجھے پہچان بھی نہیں سکیں گے کہ کبھی آپ نے اتنے غور سے تو مجھے نہیں دیکھا......اور علی اس کی بات کا جواب دینا بھی پسند نہیں کرتا۔

اس کی بھری پری سسرال تھی، سب ایک دوسرے سے محبت کرتے ایک دوسرے کا خیال رکھتے، اس نے بھی بے حد خدمت، محبت اور تابعداری سے اپنا مقام بنالیا تھا۔ لیکن جس کی وجہ سے وہ اس گھرانے کا حصہ بنی تھی، اس کے لیے اس کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ یہ بھی نہیں تھا کہ علی کی زبردستی شادی کی گئی ہو یا اسے کوئی اور پسند ہو، ایسا کچھ نہیں تھا......لیکن اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود علی ان مردوں میں سے تھا جو عورت کو اپنے پیر کی جوتی، اپنی محکوم اور وہ قابلِ دسترس کھلونا سمجھتے تھے کہ جس سے جب دل چاہا کھیل لیے اور جب دل چاہا اچھال کر الماری کے اوپر پھینک دیا۔ لیکن پھر بھی وہ روز علی کے آنے سے پہلے تیار ہوتی، سارے دن کی تھکن کو بھول کر اس کے آگے پیچھے گھومتی رہتی۔

''آپ کو کوئی کام نہیں ہے کیا؟''

وہ جو سارے کام نمٹا کر ساس، سسر کو ان کے کمرے میں گرم دودھ کا گلاس دے کر چائے کا کپ تھامے علی کے برابر والے صوفے پر آکر بیٹھی تھی کہ وہ مووی دیکھ رہے تھے اور اتفاقاً یہ اس کی بھی فیورٹ مووی تھی نے پلٹ کر پوچھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ حقیقتاً حیران ہوئی۔

''بھئی کم از کم مووی تو آرام سے دیکھنے دیا کریں۔ ہر جگہ آکر آپ بیٹھ جاتی ہیں حد ہوتی ہے۔'' علی نے غصے سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کیا اور میز پر سے کتاب اٹھا کر پڑھنے لگے۔

اسے ایسا لگا گویا تو کاٹو بدن میں خون نہیں......

''ارے بھئی دیکھیے جو ہماری بیٹی کہے گی اس گھر میں وہی ہوگا بس......'' ابا کا جملہ اسے بہت برے وقت پر یاد آیا۔

اس کا دل چاہا دہاڑیں مار، مار کر رونے لگے لیکن وہ چپ ہوگئی اس کے دونوں ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست ہوگئے...... وہ چند لمحوں تک خاموش نظروں سے اس شخص کو دیکھتی رہی......جس کے لیے وہ اپنے ماں، باپ دوست، احباب رشتے دار، سہیلیاں سب چھوڑ کر آگئی تھی۔

جس کی پسند کو اس نے اپنی پسند بنالیا تھا، جس کے گھر والوں کو وہ اپنے گھر والوں پر فوقیت دیتی تھی، جس کے گھر کے کچن میں وہ سارا، سارا دن کھڑی سب کی فرمائشیں پوری کرتی رہتی تھی کس کے لیے؟

کس کی وجہ سے؟

اس شخص کے لیے جو تین لفظ کہہ کر اسے یہاں لے آیا تھا۔ اور پھر تین لفظ کہہ کر اسے یہاں سے نکال بھی سکتا تھا۔ یہ بات وہ اکثر جتاتا تھا۔

لیکن تین لفظوں کا طعنہ دینے والے یہ کم ظرف بھول جاتے ہیں ان تین لفظ کا سوال روزِ حشر ان سے

بھی ہوگا کہ اللہ کی ایک بندی ان کے حوالے کی گئی تھی۔

کیا انہوں نے ان تین لفظوں کا پاس رکھا اور......

''کیا ہوا......اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں۔''

وہ جو خیالات میں غرق نہ جانے کیا، کیا سوچے جا رہی تھی علی کی آواز پر چونکی۔

''کچھ نہیں......'' وہ مسکرائی۔اور ٹھنڈی چائے کا کپ لے کر کمرے سے باہر نکل گئی کہ کسی کونے کھدرے میں بیٹھ کر ابھی رونا بھی تھا۔

☆☆☆

اللہ پاک نے اسے ننھی سی گڑیا دی تو ایک لمحے کو وہ لرز کر رہ گئی کہ بیٹیاں سب کی طرح اسے بھی پیاری تھیں لیکن بیٹیوں کا نصیب......؟

گھر، مکان، جائداد، زیورات، ملازمین کی فوج سب بیکار ہے اگر عورت کے دامن میں اس کے مرد کی محبت اور قدر نہ ہو۔وہ ایک آئیڈیل بیوی تھی۔ ایک مثالی بھاوج تھی شاید ساس سسر، دیور، نندیں تو بہت ساری لڑکیوں کو قدر دان مل جاتے ہوں اس کی تو جیٹھانیاں، ان کے بچے، نندیں ان کی سسرال والے سب ہی اس سے محبت کرتے......

جب بھی اس کے ماں، باپ آتے اور اس کی ساس محبت بھرے لہجے میں اس کی تعریفیں کرتیں، ان کی تربیت کو سراہتیں، اس لمحے اس کا دل چاہتا فخر سے مسکراتی ماں اور باپ کے سینے سے لگ کر بہت روئے اور کہے ابا...... آپ کی عزت سنبھالتے، سنبھالتے میں چلتی پھرتی لاش بن گئی ہوں۔

عورت کو نازک مخلوق کہا جاتا ہے اور پھر وقت رخصت ان کے سروں پر خاندانوں کی عزت، ماں، باپ کی تربیت اور ماں کی وزنی گٹھریاں رکھ کر رخصت کر دیا جاتا ہے اور وہ گٹھریاں کہ جن کے وزن سے بیچاریوں کے سر اور کندھے ٹوٹنے لگتے ہیں۔لیکن وہ سنبھالے رہتی ہیں۔

کبھی ان وزنی گٹھریوں کو ان کے سروں پر سے اتار کر ان کے کندھے ہلکے کر کے ان کی طرف دیکھو تو صبر، برداشت اور دکھ کی ایک داستان ان کی زخمی مسکراہٹ کے پیچھے نظر آئے گی اور جس دن آپ لوگ اس تحریر کو پڑھ لیں گے تو پھر عورت کو صنف نازک کہنا چھوڑ دیں گے۔

☆☆☆

وہ محبت کی فطرت پر بنی تھی۔اس نے زندگی بھر لوگوں سے صرف محبت کی تھی۔بے لوث......بے غرض محبت......لیکن......لیکن شاید اس کے نصیب میں شوہر کی محبت نہیں تھی۔

علی، اپنی بیٹی کو بہت چاہتے، ہر وقت بس بیٹی کے آگے پیچھے پھرتے، ننھی سی گڑیا سارے گھر کی لاڈلی تھی......وہ خود بھی اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتی۔

لیکن جب بھی وہ علی کو بیٹی کی شرارتوں پر بعض اوقات بے جا ضد پر، ہنستے مسکراتے دیکھتی تو اس کا دل چاہتا کہ وہ کہے ہر باپ اپنی بیٹی کو اتنی ہی محبت سے پالتا ہے، میں بھی کسی کی بیٹی ہوں، اپنی بیٹی کے لاڈ اٹھاتے وقت تمہیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ کسی اور کی بیٹی تمہاری ایک محبت بھری نظر......ایک محبت بھرے جملے......کے لیے ترستی ہے۔

''دیکھیں بھئی مجھے نہیں پتا صحیح کیا ہے، غلط کیا ہے بس جو میری بیٹی کہہ رہی ہے بس وہ صحیح ہے۔'' آج جب اس نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتی بیٹی کے غصے کی شکایت شوہر سے کی تو اس نے گردانا بھی نہیں الٹا اسے ہی ڈانٹ دیا۔اور وہ خاموش ہو گئی۔

بہت عرصہ ہوا اس نے اپنے اوپر ایک چپ سی طاری کر لی تھی۔ایک ایسی چپ جو ہر وقت دہاڑیں مار، مار کر روتی تھی۔اس کی آہیں اور بین سونے نہیں دیتے تھے۔

ساس، سسر، اللہ کو پیارے ہو گئے۔چھوٹے بچے بڑے ہو گئے تو خود بخود سب کے کچن علیحدہ ہو گئے اب اکثر شام کو علی کے پاس جب وہ چائے کا مگ لے کر بیٹھتی۔شام کا ہی وہ وقت ہوتا جب علی کو وہ سارے دن کی روداد سناتی، کوئی مشورہ لینا بھی ہوتا کہیں دعوت پر جانا ہے اس کے علم میں لاتی وہ بولتی رہتی اور علی

کتاب کھولے پڑھتا رہتا لیکن اب وہ اس ذلت کی عادی ہو گئی تھی، سو وہ پروا نہیں کرتی اور آرام، آرام سے بات کرتی رہتی۔

بیچ، بیچ میں پوچھتی "آپ سن رہے ہیں ناں......" اور علی کتاب پر سے نظریں ہٹائے ایک لمبی ہوں کر دیتے اور وہ اس پر شکر ادا کرتی کہ چلو سن تو رہے ہیں...... اور جو کبھی بیٹی آجاتی تو کتاب کیا وہ اگر کوئی اہم کال بھی کر رہے ہوتے تو ڈسکنیکٹ کر دیتے اور بہت توجہ اور محبت سے اپنی بیٹی کی بات سنتے......

اور وہ دیکھتی رہ جاتی، بعض اوقات اس کی اہم بات کو اگنور کرتے اور بیٹی کے اسکول کا قصہ سننے بیٹھ جاتے، وہ چند لمحے خاموش بیٹھی رہتی اور پھر آہستگی سے اٹھ کر اپنے کاموں میں لگ جاتی۔

خلوت کے لمحات میں جب وہ علی کی ضرورت ہوتی، ان لمحوں میں بھی وہ احساسِ محبت سے محروم رہتی۔ عورت اللہ کی بڑی عجیب مخلوق ہے اسے لاکھوں کے مجمعے میں کھڑا کر دو اور اس کی نظر صرف اس شخص پر جا کر ٹھہرے گی جو اسے دیکھ رہا ہو گا اور وہ یہ بھی جانتی ہو گی کہ وہ اسے کس نظر سے دیکھ رہا ہے۔ وہ اکثر آئینے سے سوال کرتی......

"مجھ میں کیا کمی ہے؟"

سرو قد، میدے سے گندھا رنگ، بڑی، بڑی ذہین خوب صورت آنکھیں، سیاہ گھنیرے بال...... اعلیٰ تعلیم، بہترین حسب نسب، باکردار...... سلیقہ مند......

کوئی کھوٹ، کوئی کمی...... وہ ڈھونڈ نہ پاتی، اس لمحے کوئی اس کے کان میں کہتا۔

پاگل آئینے سے کیا پوچھتی ہے تو نہیں جانتی دلہن وہی جو پیا من بھائے، اور ویسے بھی یہ سب تقدیروں کے کھیل ہوتے ہیں روپ کی روئے اور کرم کی کھائے۔ اور آنسوؤں کے دو قطرے اس کے دل پر گر جاتے، کبھی، کبھی تو وہ سوچتی دل پر اتنے آنسو گرے ہیں، یقیناً ایک کنواں تو دل میں بھر ہی گیا ہو گا......

ایسا نہیں تھا کہ علی نے اس کا خیال نہ رکھا ہو، اس کو ہر چیز کا عیش آرام تھا۔ شاندار گھر، زیور، کپڑا، نوکر، چاکر لیکن وہ عزت جو ایک عورت کا حق ہوتی ہے وہ محبت جس کے لیے عورت سارے رشتے حتیٰ کہ ماں، باپ، بہن، بھائیوں کو بھی چھوڑ آتی ہے، وہ اسے کبھی نہیں ملی۔

علی بہت چھوٹی، چھوٹی باتوں پر اسے شرمندہ کر دیتا۔ اتنی معمولی، معمولی باتیں اسے جتاتا کہ وہ منہ دیکھتی رہ جاتی۔ پہلے اس کے میکے کی کمزوریاں ڈھونڈتا اور پھر اس کو جتاتا۔ وہ خاموش رہتی۔

ہر خاندان میں چھوٹی بڑی باتیں، چھوٹی بڑی کمزوریاں ہوتی ہیں، پرفیکٹ کوئی نہیں ہوتا...... بس اپنے، اپنے ظرف کی بات ہے مرد کہہ دیتا ہے، عورت اگنور کر دیتی ہے۔ محض سوچ کر رہ جاتی ہے۔

کبھی، کبھی اس کا دل چاہتا کہ ابا کے سینے میں سر چھپا کر کہے ابا آپ نے مجھے جتنی دعائیں دیں سب لگیں، آپ نے کبھی یہ دعا نہیں دی کہ اللہ مجھے قدر دان شوہر دے کیونکہ آپ سوچتے تھے کہ میری تو کوئی --- بے قدری کر ہی نہیں سکتا۔

ابا میں آپ سے کیسے کہوں؟ مجھے آپ کی اس دعا کی زندگی کے ہر قدم پر ضرورت پڑی ہے...... میری عزتِ نفس کو ایسا کچلا گیا ہے۔ مجھے اس، اس طرح نظر انداز کیا گیا ہے؟ مجھے ایسے، ایسے موقعوں پر شرمندہ کیا گیا ہے۔ آج اگر سوچتی ہوں۔ تو خود حیران ہوتی ہوں کہ یہ سب میں نے کیسے سہہ لیا، میں یونیورسٹی کی بیسٹ ڈیبیٹر...... میرے سارے لفظ کہاں کھو گئے تو پھر میری نظر اپنی دوائیوں کے پاؤچ پر جا پڑتی ہے جس میں سے کئی رنگ برنگی چھوٹی بڑی گولیاں میں روز، صبح شام کھاتی ہوں اور اگر نہ کھاؤں تو......

اس کی اماں کہا کرتی تھیں بیٹا بند مٹھی لاکھ کی...... سو اس نے ہمیشہ اپنی مٹھی بند رکھی...... جوائنٹ فیملی ہونے کے باوجود کبھی اس نے بیڈ روم کی بات بیڈ روم سے باہر نہیں نکلنے دی۔

لوگ اس کی مثالی شادی شدہ زندگی کی مثال

دیتے...... آج وہ اپنی بیٹی کو رخصت کرنے جارہی ہے سارا گھرانا اس کے سلیقے پر انگشت بدنداں ہے، اس کی بیٹی اس کی طرح معصوم اور نبھانے والی ہے لیکن جس طرح اس نے اس کی پیدائش والے دن سے اس کی رخصتی کی تیاری شروع کردی تھیں اس نے اپنی دعاؤں میں ایک دعا بڑھالی تھی جو اسے کبھی نہیں دی گئی۔

اور میرے خیال سے آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے وہ دعا کیا ہوگی۔

☆☆☆

''ٹھہرے، میں سلمیٰ بیگم زوجہ حسن علی مرزا کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' سلمیٰ بیگم کے مضبوط لہجے اور اندازِ تخاطب نے کمرے میں موجود سارے مردوں کو حیران کردیا......

حسن علی مرزا نے حیرت سے بیوی کو دیکھا۔ جسے ساری زندگی انہوں نے ایک عورت سے زیادہ اہمیت نہیں دی...... جسے انہوں نے ایک بیوی، ایک ماں جیسی اہمیت کبھی نہیں دی۔ آج وہی سلمیٰ بہ آواز بلند ان پر اپنا حق جتا رہی ہے۔ وہ اپنی حیثیت خود بتارہی ہے۔

''آج عید ہے، میری بچی کا نکاح ہے، میری وہ بیٹی جس کی پیدائش سے لے کر آج تک میں اس کے نیک نصیب اور خوشیوں کی دعا کرتی آئی ہوں۔ مجھے مہر میں کوئی روپیہ، پیسہ، زیور، کوٹھی، بنگلا، جائداد نہیں لکھوانی۔ ان میں سے کوئی بھی چیز عورت کی خوشی کی ضامن نہیں، میں ہر سال عید پر نتاشا کو یونیک عید گفٹ دیتی ہوں اور اس عید پر بھی دینا چاہتی ہوں۔''

کہتے، کہتے وہ چند لمحے رکی، گھر کے مردوں کے علاوہ کچھ ظاہر ہے کچھ مرد نتاشا کی سسرال سے بھی آئے بیٹھے تھے۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی عباد مرزا بہت تحمل سے بھاوج کی بات سن رہے تھے جبکہ حسن علی مرزا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سلمیٰ بیگم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیں۔

''میں اپنی بیٹی کا مہر اپنی مرضی کا رکھوانا چاہتی ہوں۔'' سلمیٰ بیگم نے اپنے جیٹھ عباد مرزا سے مخاطب ہوتے ہوئے شوہر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کراتنے سرد لہجے میں کہا کہ حسن علی مرزا کو ایک عجیب سی ٹھنڈک اپنی ریڑھ کی ہڈی تک میں اترتی محسوس ہوئی۔

وہ بیوی جسے بند کمرے میں معمولی، معمولی باتوں پر انہوں نے مارا تک تھا۔ اور اس نے اُف تک نہیں کہا تھا۔ اور نہ ہی کسی کو بتایا تھا آج وہ بھرے کمرے میں سینہ تانے کھڑی تھی......

''آپ بھی سوچ رہے ہوں گے آج مجھے کیا ہوگیا۔'' سلمیٰ بیگم نے شوہر کی جیسے سوچ پڑھ لی، اتنی لمبی رفاقت میں انسان اتنا تو ہم مزاج ہو ہی جاتا ہے۔

''بتائیں آپ کیا مہر لکھوانا چاہتی ہیں، ہم وہی مہر ادا کریں گے۔'' جواد صاحب نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ آپ ایک ماں سے وعدہ کررہے ہیں......''

سلمیٰ بیگم نے بیٹی کے ہونے والے سسر سے وعدہ مانگا۔

''بالکل بھابی جان...... یہ میرا آپ سے وعدہ رہا۔''

''تو پھر میری بچی کے مہر میں عزت اور محبت لکھ دیں۔ صرف عزت اور محبت......'' کہہ کر سلمیٰ بیگم زندگی میں پہلی بار سب کے سامنے روتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

پورے کمرے میں خاموشی تھی، سب حیران نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، حسن علی مرزا کو اس تھپڑ کی جلن محسوس ہورہی تھی جو شادی کے بائیس سال بعد سلمیٰ بیگم کے لفظوں نے ان کے منہ پر مارا تھا۔

جواد صاحب نے سارے کمرے پر نظر ڈالی اور بہت مطمئن لہجے میں کہا۔

''لکھیے حق مہر...... محبت اور عزت......''

''ایک ماں کی اپنی بیٹی کے لیے دنیا کی سب سے منفرد عیدی۔'' کسی کے منہ سے نکلا اور حسن علی مرزا کا سر جھکتا چلا گیا۔

☆☆☆